جان پہچان

طوغانی نے فخرِ وطن مولانا امتیاز علیخاں عرشی کا انٹرویو لیا!

یہ انٹرویو رئیس رامپوری نے لیا تھا اور ہفت روزہ جہان نما رامپور بابت ۳۱۔ دسمبر ۱۹۷۲ و ۷ جنوری ۱۹۷۳ء و ۱۵ جنوری ۱۹۷۳ء
تین شماروں میں بالاقساط شائع ہوا تھا۔ [illegible] زادہ

۵ مارچ ۱۹۷۳

(پہلی قسط)

حضرت مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں ان کے علمی، ادبی اور تحقیقی کارناموں سے کون واقف نہیں پھر بھی قارئین کو مختصر طور پر بتا دوں کہ مولانا عرشی ۸ دسمبر ۱۹۰۴ء مطابق ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ بروز جمعرات قبل مغرب دنیا میں تشریف لائے۔

آپ کا سلسلہ نسب افغانستان کے جنوب مشرق میں سوات اور بنیر کی سرحد پر واقع موضع سنابا جکے کے رئیس مشرف خاں (قبیلہ حاجی خیل) سے ملتا ہے۔ رامپور میں سب سے پہلے مشرف خاں کے پوتے رحم باز خاں آئے جو مولانا عرشی کے پردادا تھے۔ دادا کا نام نامی اکبر علی خاں محدث اور والد کا اسم گرامی ڈاکٹر مختار علی خاں تھا۔

۱۷ دسمبر ۱۹۷۲ء اتوار کے دن ۹ بجے طے شدہ پروگرام کے مطابق جب میں رضا لائبریری پہنچا تو معلوم ہوا عرشی صاحب میرے منتظر ہیں۔ لائبریری کی شاندار عمارت کے اندرونی حصہ میں واقع عرشی صاحب کے دفتر کی چق اٹھا کر جوں ہی میں نے حاضر ہونے کی اجازت مانگی تو عرشی صاحب نے اپنی نشست سے کھڑے ہو کر مجھ ناچیز کو خوش آمدید کہا۔

سلام دعا کے بعد مولانا عرشی نے اخبار بھان متی کے اجراء کے متعلق نیک مشوروں سے نوازا اور آئندہ رہبری کے لئے یقین دلایا۔ کچھ دیر بعد میں نے اپنے مقصد کی بات یعنی مختصر سوالات کا سلسلہ شروع کیا۔

طوفانی: قبلہ جیسا کہ عام طور پر دیکھا گیا ہے، انسان کے ساتھ بعض ناقابل فراموش واقعات بھی پیش آجاتے ہیں آپ کو کوئی ایسا واقعہ؟

مولانا عرشی نے مسکراتے ہوئے فرمایا! میری پیدائش ہی ناقابل فراموش واقعہ ہے جسے میں زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ (پھر سنجیدگی سے کہنے لگے) بھائی! کوئی ناقابل فراموش واقعہ نہیں ہے۔ پیدا ہوا، جوان ہوا، نوکر ہوا، مر جاؤں گا۔

طوفانی: خدا نہ کرے ابھی آپ جیسی ہستی کی سخت ضرورت ہے۔ اچھا قبلہ! یہ بتائیے، آپ کا بچپن کیسے گذرا؟

مولانا عرشی: بس جیسے بچوں کا گذرتا ہے

طوفانی: میرا مطلب ہے اس عمر میں آپ کی شرارتوں کا کیا عالم تھا آپ نے کون کون سے کھیل کھیلے؟

مولانا عرشی: دوسرے بچوں سے کم شریر نہیں تھا۔ رامپور کے تمام کھیل کھیلے۔ گھر کے اندر ہی بسر ہی۔ ۱۳، ۱۲ برس کی عمر تک مارے باندھے پڑھا۔ اس کے بعد خود شوق پیدا ہوا تو آج تک ہاتھ سے کتاب نہیں چھوٹی۔

طوفانی: بچپن کے کھیلوں کے نام بتانے کی زحمت فرمائے گا؟

مولانا عرشی: ہنس کر فرمانے لگے۔ (اس طرح کہ آنکھوں میں چمک اور چہرے پر سرخی دوڑ گئی، جیسے خود بچپن کے عالم میں پہونچ گئے ہوں) صاحب! تمام ہی کھیل کھیلے تھے جیسے پتنگ بازی، گڑیاں، کودم کودا، لباداسی بتا لانا، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ایک بات بتادوں پڑھائی کا شوق پیدا ہونے کے بعد تمام کھیل تو چھوٹ ہی گئے۔ محلے کے لڑکوں کے نام تک بھول گیا۔

طوفانی: اچھا قبلہ! یہ تو فرمائے کہ نئی نسلیں آپ کے بچپن سے کتنی مختلف ہیں

مولانا عرشی: نئی نسلیں تو بالکل مختلف ہیں۔ عورتوں کی اصطلاح میں جیسے توے پر روٹی الٹ دینا، پلٹنا ہے۔ میرے بچپن کے اخلاقی معیار ٹوٹ چکے ہیں۔ نئے اخلاق پردیس سے بڑھے ہوئے ان کے زیر اثر ایک خاص قسم کا ذہن بن رہا ہے۔

طوفانی: صاحب! نئی نسل کی بے راہ روی کے سدھار کی کوئی ترکیب؟

مولانا عرشی: نئی نسل کی بے راہ روی کا سدھار! (طلباء اور نئی نسل کے لئے بجا افسوس کرتے ہوئے) میری نظر میں تو اس وقت آندھی چل رہی ہے اور آندھی کے وقت یہ نہیں دیکھا جاسکتا کہ کون سا چھپر ہلا اور کون سا اڑا، کون سا درخت ٹوٹا اور کون سی عمارت گری۔ سب کچھ بعد کو دیکھا جاتا ہے۔ میاں... آندھی ذرا تھمنے دیجیے پھر درختوں اور عمارتوں کو دیکھئے گا درست کیجئے گا

قسط دوم

طوغانی: جدید شاعری کے سلسلہ میں خلیل الرحمٰن اعظمی صاحب کا ہماری زبان میں وہ مضمون آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا جس میں انھوں نے آپ کے حوالے سے چند کلمات بیان کئے ہیں کیا آپ اس کی وضاحت فرمائیں گے؟

مولانا عامر عرشی: جدید شاعری کو سامنے رکھتے ہوئے میرا خیال ہے کہ نظم کو نثر سے ممتاز ہونا چاہئے۔ جتنا نثر کو قریب لایا جائے گا نظم کا امتیاز گھٹتا رہے گا۔ ہر زمانے کی اپنی علامات ہوتی ہیں۔ اب جو علامات سامنے لائی جارہی ہیں۔ بھئی! ان میں سے کچھ میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ میں بڑی حد تک [illegible] ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس کا جائز حصہ باقی رہ جائے گا اور یہ ہمیشہ ہوتا ہے ویسے موجودہ دور کی شاعری بحیثیت مجموعی ترقی پر ہے۔

طوغانی: عہدِ حاضر میں بعض کیا بیشتر شاعر عریانی کو حقیقت بیانی تصور کرتے ہیں، آپ کا کیا خیال ہے؟

مولانا عرشی: پہلے جس پردہ میں رہنے والی چیزوں کو اشارے کنایے میں بیان کیا جاتا تھا۔ لیکن اب حقیقت بیانی کو اس شکل میں اہمیت دی گئی ہے کہ چھپانے کی ضرورت نہیں۔ باقاعدہ عریاں کلب بن رہے ہیں اور کہتے ہیں جانور لباس کب پہنتے ہیں۔ بے شعور نہیں پہنتے تو باشعور کیوں پہنیں۔؟ لیکن یہ بھی تمام شعراء کا انداز نہیں ہے

طوغانی: آپ شعر بھی تو بہت عمدہ کہتے ہیں اپنے کچھ ایسے اشعار سنانے کی زحمت فرمائیں جو خود آپ کو بھی پسند ہوں۔

مولانا عرشی نے مسکراتے ہوئے فرمایا مجھے اپنے شعر پسند ہی نہیں، اس لئے کسی کو سناتا ہوں نہ کہیں پڑھتا ہوں اکثر اکتبہ (عرشی زادہ) نے نقل کرکے چھپوا دیے۔ ہاں آپ شعر سنائیں مجھے پسند ہوگا۔ کہو دل کا یہ میلہ ہے

طوغانی: آپ کی شخصیت کی تعمیر میں کن عوامل نے کام کیا؟

مولانا عرشی: آپ نے بڑا مشکل سوال کرلیا۔ اس لئے کہ اتنی چیزیں گرد و پیش کام کرتی ہوتی ہیں کہ کچھ نہیں کہا جاسکتا بچپن میں والد مرحوم کی تعلیم و تربیت خاص تھی۔ پھر استاد مرحوم سرحد ہزارہ کے رہنے والے نہایت عابد و زاہد پرہیزگار اور متقی ان کی تعلیم و تربیت۔ اس کے بعد بہت سے رابطے اور اسی طرح بہت سی چیزیں سامنے آتی رہی ہیں۔ اس لئے آپ کے سوال کا جواب دینا بڑا مشکل ہے

طوغانی: آپ کے پسندیدہ مصنفین اور ان کی پسندیدگی کی وجہ؟

مولانا عرشی: مولانا شبلی مرحوم۔ اس لئے کہ ان کا طرزِ تحریر شگفتہ اور منطقی ہے مولانا حالی، جن کی سادگی کا میں بہت دلدادہ ہوں۔ اور محمد حسین آزاد۔ جن کی تحریر کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے

طوغانی: پسندیدہ شعراء اور محققین؟

مولانا عرشی: (ایک تو جانا مانا ذکر) ظاہر ہے شاعروں میں غالب سب سے زیادہ پسند ہیں اور پھر اقبال۔ اور محققین میں اختر شیرانی کے والد پروفیسر محمود خاں شیرانی مرحوم

طوغانی: آج کل ایک سوال عام طور پر ذہن میں ابھر رہا ہے اور وہ ہے اردو کا مستقبل؟

مولانا عرشی (اپنے مسکراتے انداز میں کچھ رک کر فرمایا) یہاں بس اتنا سمجھ لو اردو والے اگر خود اسے زندہ رکھنا چاہیں گے تو تابناک اور اگر نہیں تو دوسری مردہ زبانوں کی طرح یہ بھی ختم ہو جائے گی

طوغانی: اس کو زندہ رکھنے کا طریقہ کیا ہوسکتا ہے؟

مولانا عرشی: اس کو بولیں، لکھیں، پڑھیں، اپنے بچوں کو خاص طور سے اس کی تعلیم دیں، غرض بقا کی ہر صورت کو اپنائیں عزیز رکھیں۔ اس میں تصنیف و تالیف کی کوشش کریں۔ کوئی زبان زندہ نہیں رہ سکتی اس کی خاص [illegible] حیثیت علمی و ادبی دونوں حیثیتوں سے مسلّم ہو۔

طوغانی: ہندوستان میں اس کی ترقی و تنزل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

مولانا عرشی: ہندوستان میں اس کی ترقی و تنزل کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے یہاں کیا حشر ہو جائے۔ اس کے بارے میں پیش گوئی نہیں کی جاسکتی

(باقی اگلے شمارے میں)

طوغانی : اردو کے سلسلہ میں حکومت کے اقدامات اطمینان بخش ہیں کہ نہیں؟

مولانا عاشقی : حکومت کے اقدامات اردو کے سلسلہ میں ابھی کوئی قابل اطمینان حد تک نہیں پہنچے ہیں ۔ لیکن جو کچھ بھی ہیں، ان سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور آگے حصول کے لئے کوشش جاری رکھنا چاہئے ۔

طوغانی : بس ایک سوال کی جرأت اور کروں گا، مجھے احساس ہے کہ آپ کا بہت قیمتی وقت ضائع کر رہا ہوں

مولانا عاشقی : ارے نہیں میاں! معلوم کرو ۔ کبھی کبھی تو آتے ہو ۔

طوغانی : قبلہ! اب مستقبل میں آپ کی کیا آرزو ہے کیا مطمح نظر ہے؟

مولانا عاشقی : آئندہ آرزو، تمنا، خواہش، مطمح نظر؟ اب مستقبل ہی کہاں ۔ موت تو آچکا مسودہ میں جو مل جائے مل جائے ۔ بات عربی مخطوطات کی فہرست کی دو جلدیں رہ گئی ہیں وہ پوری کر لوں؟ یہ آرزو ہے ۔ تخلیق کے سوتے خشک ہو گئے ۔ خط تک نہیں لکھا جاتا ۔ پہلے مقالہ لکھنے میں بھی دشواری نہیں ہوتی تھی، دردِ دل، دردِ گردہ نے بہت مضمحل کر دیا ہے ۔

خوب یاد آیا دل سے متعلق چند شعر سنو ۔ حیدرآباد کے ڈاکٹر ترک وطن کر کے بمبئی میں ڈو مطب چلا رہے تھے ۔ انھوں نے مجھے دیکھا اور جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ میں کون ہوں کیا ہوں تو باتیں شروع کر دیں انھیں نے یہ شعر سناتے ۔

آہ کرنا دل حزیں نہ کہیں
آگ لگ جائے گی کہیں نہ کہیں

چوٹ کھانا دل حزیں نہ کہیں
درد رہ جائیگا کہیں نہ کہیں (داغ)

ایک شعر کسی حیدرآبادی شاعر کا جس کا نام یاد نہیں رہا اور میرا شعر ہے
"چوٹ کھائی تھی کبھی دل پہ سو کچھ بچ کے وہ درد جائے گا مگر ایسے نہیں جانے کا"

طوغانی : سبحان اللہ کیا خوب فرمایا ہے "درد جائے گا مگر ایسے نہیں جائے گا"۔ مرزا غالب کے بھی کچھ پسندیدہ اشعار سنائیے ۔

مولانا عاشقی : بھائی آج کل مجھے یہ شعر بہت پسند ہیں ۔

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں
سر کھجاتا ہے جہاں زخم سر اچھا ہو جائے
لذت سنگ بہ اندازۂ تقریر نہیں

طوغانی : کیا اچھے شعر آپ نے عطا فرمائے ۔ قبلہ یہ تو فرمائیں کہ بڑے کام کرنے والے اکثر مصائب میں مبتلا رہے ہیں آخر کیوں؟

مولانا عاشقی : اس لئے کہ کھا کر پھولوں کی سیج پر لیٹ کر آدمی اونچے کام نہیں کر سکتا ۔ پسینہ بہا کر، دکھ اٹھا کر ہی آدمی بڑے کام کر سکتا ہے ۔ آرام سے کام نہیں ہوا ہے، دکھ سے کام ہوا ہے ۔ میں دیکھتا ہوں کہ میرے بچپن میں جن لوگوں کے آگے پیچھے نوکر چاکر تھے وہ جوتیاں چٹخا رہے ہیں اور جن لوگوں کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اچھا مقام حاصل کیا جائے وہ آج اس مقام پر ہیں جہاں پہ مسند کرو بالا لوگ تھے اور اگر آپ خود ستائی نہ سمجھیں تو کہوں کہ ان ہی سے ایک میں بھی ہوں ۔ میاں! سورج کو ڈھلنا ہی پڑتا ہے ۔

طوغانی : جی بے شک! آپ نے بجا فرمایا ہے

مولانا عاشقی : صاحب ... غالب کا ایک شعر ہمیشہ یاد رکھئے ۔

"خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ
رہنے دے ابھی یاں کہ ابھی کام بہت ہے"

کامیابی کی دلیل یہی ہے کہ جگر خون ہو کر بہہ جائے ۔

اور طوغانی اس مختصر لیکن بامعنی بات کے نتیجے میں یہ سوچتا ہوا واپس گھر طوغان جا رہا تھا کہ "بڑا آدمی بننا کوئی مذاق نہیں جگر خون ہو کے آنکھ سے ٹپک جاتا ہے ۔ باپ رے باپ ۔ مولانا عاشقی یوں ہی بین الاقوامی شہرت کے مالک نہیں بن گئے" مجھ جیسے حقیر کتر نی سے کس اخلاق، کس محبت، کس پیار سے پیش آئے ۔ آہا!!

میر نے کیا خوب کہا ہے

مت اس شخص سے جو آدم ہووے
ناز اس کو کمال پر بہت کم ہووے
ہو گرم سخن تو گرد آوے یک خلق
خاموش رہے تو ایک عالم ہووے